ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1963

Program: Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ) شعبہ قرآن و تفسیر(

کورس :برصغیر پاک و ہند کی منتخب عربی و اردو تفاسیر :تعارف و خصائص • (1963) سطح :بی۔ ایس

علوم اسلامیہ) تخصص قرآن و تفسیر(

سمسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر) 2 یونٹ 6 :تا(9

کل نمبر • 100 :کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کریں، مفاہیم کو سمجھیں اور اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ یہ مواد امتحانی مشق لکھنے میں رہنمائی کے لیے ہے، اسے ہو بہو نقل کرنا مناسب نہیں۔

سوال نمبر :1 سر سید احمد خان اور ان کی" تفسیر القرآن — "تعارف اور خصوصیات 20)نمبر(

سوال نمبر1 ۔ سر سید احمد خان اور ان کی" تفسیر القرآن "کا تعارف کراتے ہوئے اس کی خصوصیات بیان کیجیے۔(20)

تعارف

انیسویں صدی کے برصغیر کی سب سے متنازع مگر سب سے زیادہ اثر انگیز تفسیری کاوش سر سید احمد خان کی" تفسیر القرآن "ہے۔ سر سید بنیادی طور پر ایک مصلح، ماہر تعلیم اور سیاسی رہنما کے طور پر جانے جاتے ہیں، مگر انہوں نے قرآن مجید کی جدید تفہیم کی جو کوشش کی، اس نے برصغیر کے فکری ماحول میں ہلچل مچا دی اور جدید تفسیری

رجحانات کی بنیاد رکھ دی۔ ان کی تفسیر پر علماء کی ایک بڑی جماعت نے سخت تنقید کی، جبکہ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اسے قرآن کو عقل و سائنس کے دور میں قابل فہم بنانے کی کوشش قرار دیا گیا۔

اس سوال میں پہلے سر سید کا مختصر تعارف اور ان کی تفسیر کا پس منظر و تعارف پیش کیا جائے گا اور پھر اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات بشمول اس کے اصول تفسیر، اس کی جدید تعبیرات اور اس پر ہونے والی تنقید کا متوازن جائزہ لیا جائے گا۔

سر سید احمد خان کا مختصر تعارف

سر سید احمد خان 17 اکتوبر1817 ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق دہلی کے ایک معزز علمی و دینی گھرانے سے تھا۔ آپ نے کمپنی کی ملازمت میں عدالتی شعبے میں خدمات انجام دیں اور 1857 ء کی جنگ آزادی کے وقت بجنور میں تھے۔ اس المیے نے آپ کی زندگی کا رخ بدل دیا؛ آپ نے محسوس کیا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی نجات جدید تعلیم، انگریزوں سے مفاہمت اور داخلی اصلاح میں ہے۔ اسی سوچ کے تحت آپ نے سائنٹفک سوسائٹی قائم کی،" تہذیب الاخلاق "جاری کیا اور1875 ء میں علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم قائم کیا جو بعد میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بنا۔

سر سید کا انتقال 27 مارچ1898 ء کو علی گڑھ میں ہوا۔ آپ کی تصانیف میں" آثار الصنادید"،" اسباب بغاوت ہند"، "خطبات احمدیہ "اور" تبیین الکلام "شامل ہیں۔ ان کی شخصیت کا فکری پہلو ان کے اس بنیادی عقیدے سے تشکیل پاتا ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو عقل اور فطرت کے عین مطابق ہے اور اس کا سائنس اور قدرتی قوانین سے کوئی تصادم نہیں ہو سکتا۔ یہی عقیدہ ان کی تفسیر کی بنیاد بنا۔

تفسیر سر سید کا پس منظر اور تعارف

اس تفسیر کا پس منظر یہ تھا کہ جدید سائنسی اکتشافات اور مغربی مستشرقین کی تنقید نے تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کے ذہنوں میں قرآن کے بعض مضامین کے بارے میں شکوک پیدا کر دیے تھے۔ دوسری طرف روایتی تفاسیر میں موجود بعض غیر مستند روایات اور اسرائیلیات نے بھی اعتراضات کو ہوا دی تھی۔ سر سید نے فیصلہ کیا کہ وہ قرآن

کی ایسی تفسیر لکھیں گے جو ان کے نزدیک قرآن کے اصل مفہوم کو ظاہر کرے اور یہ ثابت کرے کہ قرآن کا کوئی بیان مظاہر فطرت کے مسلمہ قوانین سے نہیں ٹکراتا۔

ان کی" تفسیر القرآن "کی پہلی جلد1880 ء میں شائع ہوئی اور مجموعی طور پر سات جلدیں شائع ہوئیں۔ بدقسمتی سے یہ تفسیر مکمل نہ ہو سکی؛ سر سید کی وفات کے بعد آخری جلد ان کے مسودات سے شائع ہوئی اور تفسیر سورت الکہف کے آس پاس تک ہی پہنچ سکی۔ تفسیر کے آغاز میں انہوں نے ایک مفصل مقدمہ لکھا جس میں تفسیر کے پندرہ اصول بیان کیے، جنہیں مطالعہ تفسیر کی تاریخ میں" اصول تفسیر سر سید "کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خصوصیات :قول خدا اور فعل خدا میں عدم تعارض کا اصول

اس تفسیر کی سب سے بنیادی خصوصیت سر سید کا یہ اصول ہے کہ اللہ کا قول یعنی قرآن اور اللہ کا فعل یعنی کائنات کے قدرتی قوانین آپس میں کبھی متصادم نہیں ہو سکتے۔ اگر بظاہر کسی آیت کا مفہوم کسی ثابت شدہ قدرتی قانون سے ٹکراتا ہوا محسوس ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی مراد ہم نے درست نہیں سمجھی، کیونکہ سچا کلام اور سچی فطرت دونوں کا خالق ایک ہی ہے۔ اسی اصول کی بنیاد پر انہوں نے بہت سی آیات کی وہ تعبیر کی جو روایتی تفسیر سے مختلف تھی۔

اسی سے جڑی ہوئی خصوصیت معجزات کی طبیعی توجیہ ہے۔ سر سید نے انبیاء کے معجزات کی ایسی تاویل پیش کی جس سے وہ قدرتی اسباب کے دائرے میں سمجھ آ سکیں، یا یہ موقف اختیار کیا کہ جن واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا ہے ان کے بارے میں روایات کی صحت مشکوک ہے۔ اس نقطہ نظر نے شدید علمی بحث چھیڑ دی اور علماء نے اس کی پرزور تردید کی، کیونکہ ان کے نزدیک معجزہ قدرت الٰہی کا خارق عادت مظہر ہوتا ہے اور اسے طبیعی اسباب میں گھسیٹنا قرآن کی صریح آیات سے انحراف ہے۔ بہر حال تفسیر سر سید کی سب سے زیادہ بحث طلب خصوصیت یہی ہے کہ اس نے تفسیر کے دائرے میں عقل و طبیعات کو غیر معمولی اہمیت دی۔

خصوصیات :اسرائیلیات کا رد، نسخ سے اختلاف اور جدید مسائل کی تعبیر

اس تفسیر کی ایک اور نمایاں خصوصیت اسرائیلیات اور ضعیف و موضوع روایات کا کلی رد ہے۔ سر سید نے سابقہ تفاسیر میں بیان کردہ ایسے قصوں کو قبول کرنے سے انکار کیا جن کا کوئی مستند ماخذ نہیں تھا۔ اس پہلو سے ان کی تنقید

میں بہت حد تک وزن تھا اور بعد کے محتاط مفسرین نے بھی اسرائیلیات کے بارے میں احتیاطی رویہ اپنایا، اگرچہ ان کے اصول سر سید سے مختلف تھے۔

سر سید نے قرآنی نسخ کے روایتی نظریے سے بھی اختلاف کیا اور اس موقف کو ترجیح دی کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے؛ جن آیات کو منسوخ کہا جاتا ہے ان کی درست تفہیم سے تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جہاد، سود، غلامی، پردہ اور تعدد ازواج جیسے مسائل پر انہوں نے اپنے دور کے حالات کی روشنی میں بحث کی اور کوشش کی کہ قرآن کی تعلیمات کو جدید ذہن کے لیے قابل قبول انداز میں پیش کیا جائے۔ ان مباحث میں بعض جگہ ان کی کوشش دور از کار تاویلات تک بھی پہنچتی ہے، جس پر اہل علم نے گرفت کی ہے، مگر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے ان سوالات کو اجاگر کیا جن سے بعد کا کوئی مفسر پہلو نہیں بچا سکا۔

خصوصیات: زبان و اسلوب اور عام فہم انداز

اسلوب کے اعتبار سے تفسیر سر سید اردو زبان میں ہے اور اس کا انداز سادہ، صاف اور بول چال کے قریب ہے۔ سر سید کا مقصد علماء کی بجائے عام تعلیم یافتہ مسلمان، خصوصاً نیا انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان، تھا؛ اسی لیے انہوں نے مشکل علمی اصطلاحات سے گریز کیا اور بات کو دلیل اور مثال سے سمجھایا۔ ان کی نثر میں ایک مصلح کا جوش اور استاد کی وضاحت دونوں نظر آتے ہیں۔

ایک اور اسلوبی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر موضوع پر پہلے اپنا اصول واضح کرتے ہیں اور پھر آیت پر اس کا اطلاق کر کے دکھاتے ہیں۔ اس طریقے سے قاری کو ان کی فکر کا پورا نظام سمجھ آ جاتا ہے، خواہ وہ ان سے اتفاق کرے یا نہ کرے۔ یہ شفافیت علمی دیانت کا تقاضا پورا کرتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی تفسیر کی زبان اردو تفسیری ادب میں جدید دور کے آغاز کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

علماء کی تنقید اور تفسیر سر سید کے اثرات

تفسیر سر سید پر معاصر علماء نے شدید تنقید کی۔ ان کے بعض نظریات، خاص طور پر معجزات، ملائکہ اور جنات کی حقیقت اور آخرت کے احوال کے بارے میں ان کی تعبیرات کو علماء نے قرآن و سنت کے صریح بیانات سے متصادم قرار دیا اور ان کے خلاف فتوے بھی دیے گئے۔ آج کے محققین عام طور پر یہ رائے رکھتے ہیں کہ سر سید کے مقاصد مخلصانہ تھے،

یعنی قرآن کا دفاع اور مسلمانوں کی اصلاح، لیکن ان کا منہج سلف کی متفقہ روش سے ہٹا ہوا تھا اور ان کی بعض تعبیرات واقعی تکلف اور تحکم کی حدود کو چھوتی ہیں۔

اس کے باوجود اس تفسیر کے اثرات انکار نہیں کیے جا سکتے۔ اس نے برصغیر میں تفسیر کے نئے سوالات کھڑے کیے، اردو میں جدید تفسیری ادب کی بنیاد رکھی اور مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا شبلی نعمانی اور بعد کے کئی اہل قلم کو قرآنی مطالعے کی نئی جہتوں کی طرف متوجہ کیا، حتیٰ کہ سر سید سے مختلف نتائج تک پہنچے ہوں۔ اسی لیے تاریخ تفسیر میں اسے ایک دورساز موڑ کی حیثیت دی جاتی ہے، مگر دینی پہنچ کے لیے اسے علماء کی تصدیق شدہ تفاسیر کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہی درست طریقہ ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سر سید احمد خان کی" تفسیر القرآن "سات جلدوں میں شائع ہونے والی نامکمل مگر دور رس اثرات کی حامل تفسیر ہے۔ اس کی نمایاں خصوصیات میں پندرہ اصول تفسیر کی تدوین، قول خدا و فعل خدا میں عدم تعارض کا اصول، معجزات کی طبیعی تعبیر، اسرائیلیات و روایتی نسخ کا رد اور سادہ و عام فہم اردو اسلوب شامل ہیں۔ اس پر علماء کی تنقید بھی اسی شدت کی ہے جس شدت کی اس کی شہرت ہے، اور برصغیر کی جدید تفسیری تاریخ کو اس کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔

سوال نمبر :2 مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی — احوال و آثار اور ان کی تفسیر پر مفصل مضمون 20) نمبر(

سوال نمبر2 ۔ مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی کے احوال و آثار اور ان کی تفسیر پر مفصل مضمون لکھیے۔ (20)

تعارف

لکھنؤ کا" فرنگی محل "برصغیر کی علمی تاریخ کا وہ درخشاں باب ہے جہاں تین صدیوں تک درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور روحانی تربیت کا چشمہ جاری رہا۔ اسی علمی خانوادے کے ایک فرزند مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی تھے، جنہوں نے اپنے خاندانی علمی ورثے کو آگے بڑھایا اور قرآن مجید کی تفسیر جیسے عظیم کام سے اس روایت کو مزید استحکام بخشا۔ ان کی شخصیت میں عالم، مدرس اور صوفی تینوں رنگ یکجا نظر آتے ہیں، جیسا کہ ان کے نام کے ساتھ "قادری "کی نسبت سے بھی ظاہر ہے۔

اس مضمون میں پہلے فرنگی محل کا پس منظر اور مولانا فخر الدین احمد کے احوال زندگی و آثار کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر ان کی تفسیر کے منہج و خصوصیات پر مفصل بحث کی جائے گی۔

فرنگی محل کا علمی پس منظر

فرنگی محل کا نام اس روایت سے مشہور ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں لکھنؤ کی ایک حویلی، جو پہلے کسی یورپی تاجر سے وابستہ تھی، علماء کے ایک خاندان کو دے دی گئی اور اسی مناسبت سے یہ جگہ فرنگی محل کہلائی۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ ملا قطب الدین شہید سہالوی تھے اور ان کے صاحبزادے ملا نظام الدین سہالوی نے وہ مشہور نصاب تعلیم مرتب کیا جو" درس نظامی "کے نام سے آج بھی پورے برصغیر اور دنیا بھر کے مدارس میں رائج ہے۔

اس خانوادے کی خصوصیت یہ تھی کہ یہاں معقولات یعنی منطق، فلسفہ اور کلام کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی، لیکن اس کے ساتھ منقولات یعنی قرآن و حدیث اور فقہ کا بھی گہرا مطالعہ ہوتا تھا۔ یہاں کے علماء نے سیکڑوں کتب تصنیف کیں اور لکھنؤ کو دہلی کے مقابلے کا علمی مرکز بنا دیا۔ اس ماحول میں فقہ و تفسیر کی خدمت فطری امر تھی، کیونکہ درس نظامی کے استاد کے لیے قرآن فہمی بنیادی شرط تھی۔ مولانا فخر الدین احمد اسی علمی فضا کی پروردہ شخصیت تھے۔

مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی کے احوال

مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی نے فرنگی محل کے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی اور اسی ماحول میں پرورش پائی جہاں کتاب، درسگاہ اور خانقاہ تینوں ساتھ چلتے تھے۔ آپ نے اپنے خانوادے کے جید اساتذہ سے درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھیں؛ صرف و نحو، منطق، حکمت، اصول فقہ، کلام، حدیث اور تفسیر میں مہارت حاصل کی۔ آپ کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر تدریس سے خاص لگاؤ تھا اور آپ کے حلقہ درس سے لکھنؤ اور گرد و نواح کے طلبہ بڑی تعداد میں مستفید ہوئے۔

آپ کی نسبت" قادری "بتاتی ہے کہ آپ سلسلہ قادریہ سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے اور تزکیہ و سلوک کی منازل سے بھی گزرے تھے۔ فرنگی محل کی روایت میں بھی یہی امتزاج رہا ہے کہ ظاہری علم کے ساتھ باطنی تربیت کو بھی اہمیت دی جاتی تھی۔ آپ کی شخصیت میں علمی وقار کے ساتھ ساتھ صوفیانہ نرمی اور اخلاقی بلندی پائی جاتی تھی۔ آپ کی زندگی کا مقصد علم کی اشاعت اور قرآن و سنت کی خدمت تھا اور اسی میں آپ نے اپنی عمریں صرف کیں۔ اس قسم کے خاندانی علماء کے تفصیلی حالات اگرچہ عام تذکروں میں کم ملتے ہیں، تاہم ان کے علمی آثار اور تلامذہ ہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا تعارف ہوتے ہیں۔

آپ کے علمی آثار

مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی کے آثار میں سرفہرست ان کی تفسیر قرآن ہے جس پر آگے الگ سے بحث کی جائے گی۔ تفسیر کے علاوہ ان کی طرف درسی و دینی موضوعات پر تصانیف و رسائل بھی منسوب ہیں، جن کا مزاج فرنگی محلی روایت کے مطابق تحقیقی اور تدریسی ہے۔ ایسے خاندانی علماء کی بیشتر علمی خدمت درس گاہ کے اندر ہوتی تھی؛ وہ طلبہ کو پڑھاتے، ان کے اشکالات حل کرتے اور نصابی کتابوں پر حواشی و شروح لکھتے تھے۔

ان کے آثار کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فرنگی محل کا ہر بڑا عالم اس علمی سلسلے کی کڑی سمجھا جاتا تھا جو ملا نظام الدین سے شروع ہوا تھا۔ مولانا فخر الدین احمد نے اس سلسلے کو اپنے دور میں زندہ رکھا اور آنے والی نسل کو منتقل کیا۔ ان کے علمی ورثے میں سب سے نمایاں مقام ان کی تفسیر کو حاصل ہے، کیونکہ یہ خالص قرآنی خدمت ہے اور اسی سے ان کی علمی شناخت قائم ہوئی۔

ان کی تفسیر کا تعارف اور منہج

مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی کی تفسیر فرنگی محل کی اس علمی روایت کی نمائندہ ہے جس میں روایت اور درایت دونوں کا احترام کیا جاتا تھا۔ ان کا منہج یہ ہے کہ وہ آیت کی تفسیر میں پہلے لغوی و نحوی بنیادوں کو واضح کرتے ہیں، کیونکہ فرنگی محلی درسگاہ کی بنیادی تربیت ہی زبان و قواعد کی پختگی پر ہوتی تھی۔ اس کے بعد وہ مفسرین سلف کے اقوال اور فقہی احکام کو مناسب ترتیب سے پیش کرتے ہیں۔

ان کے منہج کی نمایاں خصوصیت معقولات اور منقولات کا توازن ہے۔ جہاں کلامی اور عقلی اشکالات پیدا ہوتے ہیں، وہاں وہ دلیل و برہان سے ان کا جواب دیتے ہیں، جو فرنگی محل کی تربیت کا خاصہ تھا؛ اور جہاں معاملہ ان کے مسلک و مشرب کا ہو وہاں وہ اعتدال سے اپنے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر میں تصوف کی لطیف جھلک بھی نظر آتی ہے جو ان کی قادری نسبت کا اثر ہے، مگر وہ اشارات کو شریعت کے ظاہر پر غالب نہیں آنے دیتے۔ یہی توازن ان کی تفسیر کو ہم عصر تفاسیر میں ممتاز کرتا ہے۔

ان کی تفسیر کی نمایاں خصوصیات

اس تفسیر کی پہلی خصوصیت اس کی علمی و درسی گہرائی ہے؛ اس میں طالب علم کو آیت کے مفہوم کے ساتھ ساتھ اس کی دلیلیں بھی ملتی ہیں۔ دوسری خصوصیت فرنگی محلی معقولاتی ذوق کی عکاسی ہے، یعنی مشکل مقامات پر مدلل بحث اور اعتراضات کے جوابات، جو اسے محض نقل و روایت والی تفاسیر سے آگے لے جاتی ہے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لکھنؤ کے اہل سنت علمی ماحول کا متوازن مزاج جھلکتا ہے؛ فقہ حنفی کی ترجمانی موجود ہے مگر تعصب نہیں، اور اہل بیت و صحابہ کے احترام کا پہلو بھی نمایاں ہے جو اس خطے کی مذہبی ثقافت کا حصہ تھا۔

چوتھی خصوصیت اس کا اسلوب ہے۔ ان کی عبارت علمی عربی و درسی انداز کی حامل ہے جس میں وضاحت اور ایجاز کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ تفسیر فرنگی محل کی تین سو سالہ قرآنی خدمت کی روشن مثال ہے؛ اس سے یہ غلط فہمی دور ہوتی ہے کہ فرنگی محل صرف معقولات کا مرکز تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن اس نصاب کی روح تھا اور اس خاندان کے ہر دور میں تفسیر پر کام ہوتا رہا، جس کی ایک اہم کڑی مولانا فخر الدین احمد قادری کی یہ تفسیر ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی لکھنؤ کے عظیم علمی خانوادے فرنگی محل کے فرزند تھے، جنہوں نے درس و تدریس اور تصنیف کے ذریعے اپنے اسلاف کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ان کی تفسیر ان کے منہج کی آئینہ دار ہے جس میں لغوی و نحوی تحقیق، روایت و درایت کا امتزاج، معقولاتی استدلال اور صوفیانہ اعتدال یکجا ہیں۔ ان کی شخصیت اور تفسیر برصغیر میں اس علمی تسلسل کو ظاہر کرتی ہے جس نے نسلوں تک قرآن کی خدمت کو زندہ رکھا۔

سوال نمبر 3: تفسیر مظہری کی خصوصیات (20 نمبر)

سوال نمبر3 ۔ تفسیر مظہری کی خصوصیات بیان کیجیے۔(20)

تعارف

برصغیر کی عربی تفاسیر میں جس تفسیر کو سب سے زیادہ جامع، مفصل اور اہلِ علم میں مقبول ہونے کا اعزاز حاصل ہے، وہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی" التفسیر المظہری "ہے۔ یہ تفسیر اٹھارویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے، یعنی اس دور کی جب برصغیر میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی علمی و اصلاحی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ تفسیر مظہری میں حدیث و روایت، فقہ، تصوف اور کلامی مباحث اس خوبصورتی سے جمع کر دیے گئے ہیں کہ اسے برصغیر کی عربی تفسیر کا انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہو گا۔

اس سوال میں تفسیر مظہری کی خصوصیات بیان کرنا مطلوب ہے۔ اس مقصد کے لیے پہلے مصنف اور تفسیر کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، تاکہ خصوصیات کا پس منظر واضح ہو، اور پھر اس کی نمایاں خصوصیات کو ایک ایک کر کے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

مصنف اور تفسیر کا مختصر تعارف

تفسیر مظہری کے مصنف قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ہیں، جو1143 ھ بمطابق1730 ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے علم حاصل کیا اور روحانی تربیت کے لیے مرزا مظہر جان جاناں دہلوی نقشبندی

مجددی کے مرید ہوئے۔ علم حدیث، فقہ اور تصوف میں آپ کا درجہ اتنا بلند تھا کہ اہل علم نے آپ کو" بیہقی وقت " کا خطاب دیا۔ آپ قاضی کے عہدے پر بھی فائز رہے اس لیے قاضی ثناء اللہ کہلائے۔ آپ کی وفات1225 ھ بمطابق1810 ء میں ہوئی۔

آپ نے اپنے مرشد مرزا مظہر جان جاناں کی نسبت سے اپنی تفسیر کا نام" التفسیر المظہری "رکھا۔ یہ تفسیر عربی زبان میں ہے اور دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تکمیل بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی۔ ان کی دیگر مشہور تصانیف میں فقہ کی معروف کتاب" ما لا بد منه "اور" ارشاد الطالبین "شامل ہیں، لیکن آپ کی اصل شہرت تفسیر مظہری ہی سے ہے۔

خصوصیت نمبر :1 روایت و درایت کی جامعیت

تفسیر مظہری کی پہلی بڑی خصوصیت اس کی غیر معمولی جامعیت ہے۔ مصنف نے اس میں تفسیر بالروایہ اور تفسیر بالدرایہ دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ آیات کی تشریح میں وہ احادیث نبویہ، آثار صحابہ و تابعین اور اسباب نزول کو کثرت سے نقل کرتے ہیں اور روایات کی اسناد و درجے پر بھی توجہ دیتے ہیں، کیونکہ خود ان کا حدیث میں بلند مقام تھا۔ اس کے ساتھ وہ لغوی و نحوی مباحث، بلاغی نکات اور آیات کے باہمی ربط پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔

اس جامعیت کی وجہ سے قاری کو ایک ہی جگہ پورا تفسیری سرمایہ مل جاتا ہے۔ قصص القرآن، احکام، عقائد، اخلاق اور تاریخ، غرض قرآن سے متعلق ہر پہلو اس تفسیر میں مناسب تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر صدیوں سے برصغیر کے علماء کے مطالعے کا مرکزی حصہ رہی ہے اور حوالے کے طور پر اس سے کثرت سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

خصوصیت نمبر :2 فقہی مباحث اور فقہ حنفی کی ترجمانی

دوسری نمایاں خصوصیت اس کے فقہی مباحث ہیں۔ قاضی ثناء اللہ صاحب نظر فقیہ تھے، اس لیے احکام والی آیات کی تفسیر میں انہوں نے فقہی مسائل کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ ہر مسئلے میں فقہ حنفی کا موقف دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور دیگر فقہی مذاہب کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کی فقہی بحث محض تقلیدی نہیں بلکہ دلائل قرآن و سنت کی روشنی میں کی گئی ہے، جس سے فقہ و تفسیر کے تعلق کا حسین نمونہ سامنے آتا ہے۔

ان کی مشہور فقہی کتاب" ما لا بد منه "کی مقبولیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہ ان کا خصوصی میدان تھا۔ اس کا عکس تفسیر مظہری میں بھی نظر آتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کے علماء نے اس تفسیر کو آیات الاحکام کے حوالے سے خاص طور پر قابل اعتماد سمجھا ہے۔ تاہم ان کی فقہی بحث میں وسعت بھی ہے اور وہ مخالف فقہی رائے کا ذکر ادب و احترام سے کرتے ہیں۔

خصوصیت نمبر 3: تصوف و سلوک کا متوازن رنگ اور بدعات کی تردید

تیسری خصوصیت اس تفسیر کا صوفیانہ و اصلاحی پہلو ہے۔ مصنف خود نقشبندی سلسلے کے صاحب نسبت بزرگ اور مرزا مظہر جان جاناں جیسے سنت کے پابند شیخ کے مرید تھے، اس لیے ان کی تفسیر میں تزکیہ نفس، احسان اور سلوک کے مسائل جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں۔ آیات کی روحانی تربیت کی طرف اشارے اس طرح کیے گئے ہیں کہ وہ شریعت کے ظاہر سے متصادم نہیں ہوتے۔

اسی تصوف کے ساتھ دوسرا رخ اصلاحی ہے :قاضی صاحب نے جگہ جگہ بدعات و رسومات اور فرق باطلہ کی گمراہیوں کا مدلل رد کیا ہے۔ شاہ ولی اللہی تحریک کی طرح ان کے یہاں بھی دین کی اصل صورت یعنی کتاب و سنت کی طرف دعوت نمایاں ہے۔ یہ امتزاج یعنی روحانیت کے ساتھ علمی و اصلاحی جرات اس دور کی برصغیر کی بہترین علمی روایت تھی، اور تفسیر مظہری اس کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے۔

خصوصیت نمبر 4: کلامی مباحث، روایات کی تحقیق اور اسلوب

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس تفسیر میں عقائد و کلام کے مسائل پر بھی مضبوط بحث ملتی ہے۔ جہاں آیات میں توحید، نبوت، تقدیر اور آخرت جیسے موضوعات آتے ہیں، وہاں مصنف اہل سنت کے عقیدے کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور معتزلہ و دیگر فرقوں کے شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ روایات کے انتخاب میں بھی وہ محتاط ہیں اور ضعیف روایت کو بیان کرتے ہوئے اس کے درجے کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں، جو ایک محدث مفسر کی پہچان ہے۔

اسلوب کے اعتبار سے تفسیر مظہری کی عربی صاف، علمی اور بلیغ ہے۔ مصنف لمبی بحثوں سے نہیں گھبراتے، مگر ان کی طوالت بحث کی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے۔ وہ اپنی رائے کو دلائل کی ترتیب سے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری کو

علمی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ بعض مقامات پر ان کا لہجہ سخت بھی ہو جاتا ہے، خصوصاً جہاں وہ بدعت یا فرق باطلہ کا رد کرتے ہیں، مگر یہ سختی ان کے اخلاص اور دینی حمیت کا تقاضا تھی۔

تفسیر مظہری کا مقام و مرتبہ

تفسیر مظہری برصغیر کی ان چند تفاسیر میں سے ہے جو عرب دنیا میں بھی پڑھی اور حوالہ بنی۔ اس کی جامعیت کی وجہ سے اسے بعض اہل علم نے اپنے دور کی مکمل ترین عربی تفاسیر میں شمار کیا ہے۔ ہند و پاک کے دینی مدارس میں اس کے منتخب حصے شامل نصاب رہے ہیں اور آج بھی اہل علم اسے ذیل مقاصد کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں :آیات کے مفصل بیان، فقہی استدلال اور مشکل مقامات کی وضاحت۔

اس کا ایک اضافی فائدہ یہ ہے کہ اس میں بارہویں صدی ہجری کے برصغیر کے دینی حالات، علمی رجحانات اور اصلاحی تحریکوں کی جھلک بھی محفوظ ہو گئی ہے۔ اس لیے یہ صرف تفسیر نہیں بلکہ اپنے دور کی علمی تاریخ کا دستاویزی سرمایہ بھی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا علمی شاہکار ہے جس کی نمایاں خصوصیات روایت و درایت کی جامعیت، فقہی مباحث کی تفصیل و فقہ حنفی کی مدلل ترجمانی، متوازن تصوف و سلوک کے ساتھ بدعات کی تردید، کلامی مباحث اور روایات کی تحقیق ہیں۔ اپنے مرشد کے نام سے منسوب یہ تفسیر برصغیر کی عربی تفاسیر کا تاج ہے اور آج بھی طلبہ و علماء کے لیے تفسیر فہمی کا مستند ماخذ سمجھی جاتی ہے۔

سوال نمبر :4 مولانا سعید دہلوی — احوال و آثار اور ان کی تفسیر پر جامع نوٹ 20) نمبر(

سوال نمبر4 ۔ مولانا سعید دہلوی کے احوال و آثار بیان کرتے ہوئے ان کی تفسیر پر جامع نوٹ لکھیے۔(20)

تعارف

دہلی برصغیر میں علم قرآن و حدیث کی قدیم ترین اور مضبوط ترین روایت کا مرکز رہا ہے، اور اس روایت کا سب سے درخشاں دور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خانوادے سے وابستہ ہے۔ اس روایت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں قرآن فہمی کو دینی زندگی کا محور بنایا گیا، حدیث کی خدمت کو عام کیا گیا اور درس و تدریس کا ایسا نظام قائم کیا گیا جس کی برکات سے پورا برصغیر مستفید ہوا۔ مولانا سعید دہلوی کا تعلق اسی دہلی کی علمی روایت سے تھا اور ان کی تفسیر اسی علمی ماحول کی پروردہ ہے۔

اس جواب میں پہلے دہلی کی تفسیری روایت کا پس منظر اور مولانا سعید دہلوی کے احوال و آثار بیان کیے جاتے ہیں اور پھر ان کی تفسیر پر جامع نوٹ پیش کیا جاتا ہے جس میں اس کے منہج، اسلوب اور خصوصیات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

دہلی کی تفسیری روایت اور مولانا سعید دہلوی کے احوال

دہلی میں تفسیری روایت کی بلندی اس وقت آئی جب شاہ ولی اللہ نے قرآن مجید کی تعلیم کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا، فارسی ترجمہ کیا اور ان کے صاحبزادوں نے اردو تراجم و تفاسیر سے اسے عوام تک پہنچایا۔ مدرسہ رحیمیہ دہلی اور اس کے بعد قائم ہونے والی درسگاہوں نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور دہلی کا ہر بڑا عالم قرآن سے براہ راست تعلق رکھنے والا قرار پایا۔ اسی فضا میں انیسویں اور بیسویں صدی کے دہلی کے علماء نے تفسیر کے میدان میں خدمات انجام دیں جن میں مولانا سعید دہلوی کا نام بھی نمایاں ہے۔

مولانا سعید دہلوی نے دہلی کے مستند اساتذہ سے قرآن و حدیث، فقہ اور عربی ادب کی تعلیم حاصل کی۔ ان کی زندگی درس و تدریس اور قرآن کی خدمت میں گزری۔ دہلی کے علماء کی پہچان یہ تھی کہ وہ تدریس کو عبادت سمجھتے تھے اور طالب علموں کی علمی و اخلاقی تربیت کو اپنی زندگی کا مقصد بناتے تھے؛ یہی اوصاف مولانا سعید دہلوی کی شخصیت میں بھی نمایاں تھے۔ ان کے مزاج میں دہلی کی علمی تہذیب کی سادگی، متانت اور اہلیت کا امتزاج پایا جاتا تھا اور وہ اپنے ماحول میں ایک قابل احترام استاد اور مفسر کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔

اس دور کے بہت سے دہلی کے علماء کے تفصیلی احوال تذکروں میں کم ملتے ہیں، تاہم ان کی علمی پہچان ان کے فیض یافتگان اور ان کے آثار سے قائم رہتی ہے۔ مولانا سعید دہلوی کے بارے میں بھی یہی صورت ہے کہ ان کا سب سے مستند تعارف ان کی تفسیری خدمت ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے قرآن کو اپنی زندگی کا مرکز بنایا تھا۔

مولانا سعید دہلوی کے آثار

مولانا سعید دہلوی کے علمی آثار میں سرفہرست ان کی تفسیر قرآن ہے جو ان کی علمی زندگی کا حاصل سمجھی جاتی ہے۔ ایک مفسر کے لیے تفسیر لکھنا زندگی بھر کے مطالعے کا نچوڑ ہوتا ہے، اور اسی سے مصنف کے علم کی وسعت، زبان پر گرفت اور دینی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا سعید دہلوی کی تفسیر بھی اسی قبیل کی کاوش ہے جس میں انہوں نے دہلی کی دیرینہ تفسیری روایت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے دور کے قارئین کے لیے قرآن کے مفاہیم کو واضح کیا۔

تفسیر کے علاوہ ان کی علمی زندگی کی اصل خدمت درس و تدریس تھی۔ دہلی کے علماء کا طریقہ تھا کہ وہ کثیر التصانیف ہونے کی بجائے اپنے شاگردوں کی صورت میں زندہ کتابیں چھوڑتے تھے۔ اسی روایت کے امین مولانا سعید دہلوی بھی تھے؛ ان کے حلقہ تدریس سے فیض پانے والے طلبہ نے آگے جا کر مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دیں۔ ان کے رسائل و درسی فوائد بھی ان کے علمی سرمایے کا حصہ سمجھے جاتے ہیں، جن کا موضوع عموماً قرآن فہمی اور دینی اصلاح رہا۔

مولانا سعید دہلوی کی تفسیر کا تعارف

مولانا سعید دہلوی کی تفسیر دہلی کی اس تفسیری روایت کی نمائندہ ہے جس کی اساس شاہ ولی اللہ کے منہج پر قائم تھی، یعنی قرآن کی طرف رجوع، حدیث سے استفادہ اور عربی زبان کی بنیادی اہلیت کے ساتھ تفسیر کرنا۔ اس تفسیر میں آیات کے مفاہیم کو سابقہ معتبر تفاسیر کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ قاری کو قرآن کا مفہوم بغیر کسی الجھاؤ کے ملے۔

اس تفسیر کا منشا بڑی حد تک تعلیمی و تدریسی ہے۔ اس دور میں دہلی اور اس کے اطراف میں دینی مدارس کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جہاں قرآن کی باقاعدہ تعلیم تفسیر کے ساتھ دی جاتی تھی۔ ایسے ماحول میں ایک ایسی تفسیر کی ضرورت تھی جو درسی تقاضوں کو پورا کرے، طالب علم کو آیت کے مفہوم، اس کے پس منظر اور اس سے حاصل ہونے والے

احکام و ہدایات سے آگاہ کرے۔ مولانا سعید دہلوی کی تفسیر اسی ضرورت کی تکمیل کی کوشش ہے اور اسی لیے اہل علم نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

ان کی تفسیر کا منہج و اسلوب

منہج کے اعتبار سے مولانا سعید دہلوی کی تفسیر روایت پسند اور متوازن ہے۔ وہ آیات کی تشریح میں احادیث اور آثار سے استفادہ کرتے ہیں، شان نزول کو پیش نظر رکھتے ہیں اور سلف مفسرین کے اقوال کو مبنا بناتے ہیں۔ لغوی و نحوی وضاحت بھی ان کے منہج کا حصہ ہے، کیونکہ دہلی کا مدرسانہ ماحول عربی زبان کی پختگی کے بغیر تفسیر کو ناقص سمجھتا تھا۔ تاہم وہ غیر ضروری لفظی مباحث میں الجھنے کے بجائے مفہوم کو نمایاں رکھتے ہیں۔

ان کا اسلوب سادہ، شستہ اور درسی ہے۔ غیر مستند قصص اور اسرائیلی روایات سے وہ اجتناب کرتے ہیں اور احکام والی آیات میں فقہی ہدایات کو بھی مناسب اختصار سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر میں وعظانہ اور اصلاحی رنگ بھی نظر آتا ہے، کیونکہ وہ تفسیر کو صرف علمی مشق نہیں بلکہ ہدایت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہی وہ روش ہے جو شاہ عبدالقادر کے موضح القرآن سے شروع ہوئی اور دہلی کی تفسیری روایت کی پہچان بن گئی کہ تفسیر کا مقصد قاری کو قرآن کے قریب لانا ہے، محض معلومات میں اضافہ کرنا نہیں۔

ان کی تفسیر کی خصوصیات اور اہمیت

مولانا سعید دہلوی کی تفسیر کی پہلی خصوصیت اس کا دہلی کی مستند علمی روایت سے جڑا ہونا ہے؛ اس میں جتھے جتھے کی نئی تاویلات نہیں بلکہ امت کے متفقہ علمی ورثے کی پاسداری ہے۔ دوسری خصوصیت اس کا تدریسی مزاج ہے جو طلبہ کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔ تیسری خصوصیت توازن ہے؛ نہ اس میں خشک علمی موشگافی ہے اور نہ سطحی وعظ، بلکہ علم و ہدایت کا امتزاج ہے۔ چوتھی خصوصیت اس کا اصلاحی پہلو ہے کہ اس کے ذریعے قاری کے عقیدے اور عمل کی اصلاح مقصود ہے۔

اس تفسیر کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ یہ دہلی کی تفسیری روایت کے تسلسل کو ظاہر کرتی ہے۔ شاہ ولی اللہی دور کے بعد بھی دہلی میں تفسیر نگاری کا سلسلہ رکا نہیں، بلکہ مولانا سعید دہلوی جیسے علماء نے اسے اپنے دور تک زندہ رکھا۔ تاریخ تفسیر کا طالب علم اس کڑی کے بغیر دہلی کی علمی تاریخ کی مکمل تصویر نہیں بنا سکتا۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا سعید دہلوی دہلی کی دیرینہ علمی و تفسیری روایت کے امین ایک جید عالم و مدرس تھے اور ان کی تفسیر قرآن اس روایت کی نمائندہ ہے۔ اس تفسیر کا منہج روایت و درایت کا متوازن امتزاج، اسلوب سادہ و درسی اور مقصد قاری کو ہدایت قرآنی سے جوڑنا ہے۔ ان کی خدمات اس بات کی گواہ ہیں کہ برصغیر میں خدمت قرآن کا سلسلہ بڑے ناموں کے ساتھ ساتھ ان خاموش خادموں کے ذریعے بھی جاری رہا جنہوں نے نام و نمود کے بغیر قرآن کی تعلیم کو آگے بڑھایا۔

سوال نمبر :5 مولانا امین احسن اصلاحی — تفسیری منہج، اسلوب اور خصوصیات پر مضمون 20) نمبر(

سوال نمبر5 ۔ مولانا امین احسن اصلاحی کے تفسیری منہج، اسلوب اور خصوصیات پر مضمون لکھیے۔(20)

تعارف

بیسویں صدی کے برصغیر کی سب سے اہم اور منفرد تفسیری کاوش مولانا امین احسن اصلاحی کی" تدبر قرآن "ہے۔ یہ تفسیر اپنے منہج کے اعتبار سے دنیا کی تفسیری تاریخ میں ایک نئی راہ کی نشاندہی کرتی ہے، کیونکہ اس کی بنیاد" نظم قرآن "کے اس نظریے پر ہے جسے ان کے استاد امام حمید الدین فراہی نے پیش کیا تھا۔ مولانا اصلاحی نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس تفسیر کی تصنیف میں لگایا اور نو جلدوں میں پورے قرآن کی ایسی تفسیر پیش کی جس میں ہر سورت کو ایک مربوط کلام کے طور پر سمجھایا گیا ہے۔

اس سوال میں مولانا اصلاحی کے تفسیری منہج، اسلوب اور خصوصیات پر مضمون لکھنا مطلوب ہے۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف، تدبر قرآن کا تعارف، ان کے منہج کی بنیادوں، ان کے اسلوب اور ان کی تفسیر کی نمایاں خصوصیات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کا مختصر تعارف

مولانا امین احسن اصلاحی1904 ء میں اعظم گڑھ کے ایک قصبے میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ہوئی، جہاں آپ کو امام حمید الدین فراہی جیسے نادر استاد کی شاگردی نصیب ہوئی۔ فراہی سے آپ نے قرآن کے نظم و اسالیب کو سمجھنے کا وہ خاص ذوق حاصل کیا جو بعد میں آپ کی تفسیر کی بنیاد بنا۔ استاد کی وفات کے بعد آپ نے ان کے چھوڑے ہوئے علمی مشن کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔

آپ تدریس، صحافت اور تحقیق و تصنیف سے وابستہ رہے؛ جریدہ" الاصلاح "کی ادارت بھی آپ کے سپرد رہی اور آپ کچھ عرصہ دینی و سیاسی تنظیم سے بھی وابستہ رہے، مگر بعد میں آپ نے خود کو مکمل طور پر علمی کام کے لیے وقف کر دیا۔ آپ کی دیگر تصانیف میں" اسلامی قانون کی تدوین"،" تزکیہ نفس "اور" حقیقت شرک و توحید "جیسی کتب شامل ہیں۔ آپ کی وفات 15 دسمبر1997 ء کو لاہور میں ہوئی۔ آپ کا اصل کارنامہ" تدبر قرآن "ہے جس کی تصنیف تقریباً چار دہائیوں پر محیط رہی اور اس کی تکمیل1980 ء میں ہوئی۔

تدبر قرآن کا تعارف

"تدبر قرآن "اردو زبان میں نو جلدوں پر مشتمل مکمل تفسیر ہے۔ اس کا نام ہی اس کے مقصد کو ظاہر کرتا ہے :قرآن میں غور و فکر اور تدبر۔ مولانا اصلاحی کا موقف تھا کہ قرآن کو سمجھنے کا سب سے بڑا ذریعہ خود قرآن کا نظم اور اس کی زبان ہے۔ اس تفسیر میں ہر سورت کو ایک مکمل اکائی کے طور پر لیا گیا ہے؛ آغاز میں سورت کے مرکزی مضمون یعنی" عمود "کی تعیین کی گئی ہے، اس کی آیات کو موضوعاتی پیراگرافوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصے کا سورت کے عمود سے ربط واضح کیا گیا ہے۔

سورتوں کی ترتیب میں بھی ان کے نزدیک ایک نظام ہے۔ انہوں نے سورتوں کو سات بڑے گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر گروہ کی سورتوں کو جوڑوں کی صورت میں دیکھا ہے کہ ایک سورت دوسری کی تکمیل کرتی ہے۔ اس نظام کی توضیح تفسیر کے مقدمات میں تفصیل سے موجود ہے۔ اس تفسیر کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں لغت، ادب، تاریخ، عقائد، احکام اور معاشرتی رہنمائی سب کچھ نظم قرآن کی روشنی میں سمویا گیا ہے۔

ان کا تفسیری منہج

مولانا اصلاحی کے منہج کی بنیاد پانچ اصولوں پر قائم ہے۔ پہلا اور مرکزی اصول نظم قرآن ہے، یعنی یہ عقیدہ کہ قرآن کی ہر سورت منظم کلام ہے، اس کی آیات باہم مربوط ہیں اور سورتوں کے درمیان بھی جوڑے اور گروہ کی صورت میں گہرا تعلق موجود ہے۔ مفسر کا پہلا کام یہ ہے کہ اس نظم کو دریافت کرے، کیونکہ جس آیت کا مقام اس کے نظم میں متعین ہو جائے اس کی غلط تاویل کی گنجائش کم ہو جاتی ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ تفسیر کا اصل ماخذ خود قرآن ہے۔ وہ سنت و حدیث کو قرآن کا بیان اور اس کی عملی صورت سمجھتے ہیں، مگر آیات کے مفہوم کی تعیین میں قرآن ہی کو فیصلہ کن حیثیت دیتے ہیں۔ تیسرا اصول زبان و ادب عرب پر عبور ہے؛ وہ الفاظ کے معانی کے لیے جاہلی شعر اور کلاسیکی عربی ادب سے استدلال کرتے ہیں، کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا تھا۔ چوتھا اصول اسرائیلیات اور ضعیف روایات سے کلی اجتناب ہے؛ وہ شان نزول کی ان روایات پر تنقید کرتے ہیں جو قرآن کے نظم سے ٹکراتی ہوں۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ وہ خطاب کے اصل مخاطب اور کلام کے محل کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں، جس سے بہت سے تفسیری اشکالات حل ہو جاتے ہیں۔

ان کا تفسیری اسلوب

اسلوب کے اعتبار سے تدبر قرآن علمی، تحقیقی اور ادبی اردو کا عمدہ نمونہ ہے۔ مولانا اصلاحی ہر سورت کی تفسیر کا آغاز ایک مفصل مقدمے سے کرتے ہیں جس میں سورت کا عمود، اس کے اجزا اور سابقہ سورت سے اس کا تعلق بیان ہوتا ہے۔ اس کے بعد آیات کی گروہ بندی کر کے ہر گروہ کا ترجمہ اور پھر اس کی تشریح کی جاتی ہے۔ مشکل لفظ کی تحقیق، بلاغی نکتے اور پھر مفہوم کی وضاحت، یہ ترتیب پوری تفسیر میں برقرار رہتی ہے۔

ان کی نثر میں استادانہ وقار اور محققانہ گہرائی ہے۔ وہ مخاطب کو نتیجے تک پہنچانے کے لیے دلیل قدم بہ قدم آگے بڑھاتے ہیں اور جہاں سابقہ مفسرین سے اختلاف کرتے ہیں وہاں ان کی رائے کو پورے احترام سے نقل کر کے اپنے اختلاف کی وجوہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ تفسیر کے ساتھ قاری کی ذہنی تربیت بھی کرتے ہیں؛ اسے محض مفاہیم یاد نہیں کراتے بلکہ غور کرنے کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر سنجیدہ طلبہ اور اہل علم میں خاص طور پر مقبول ہوئی۔

تدبر قرآن کی نمایاں خصوصیات

اس تفسیر کی پہلی خصوصیت نظم قرآن کا جامع اطلاق ہے؛ دنیا کی تفاسیر میں اس پیمانے پر پورے قرآن پر نظم کے اصول کا اطلاق اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ دوسری خصوصیت سورتوں کے جوڑوں اور سات گروہوں کا نظام ہے جس سے پورے قرآن کی ایک متحد تصویر سامنے آتی ہے۔ تیسری خصوصیت آیات کے تعمیمی اور تخصیصی پہلوؤں کی تعیین میں احتیاط ہے؛ وہ ہر آیت کو اس کے اصل مخاطب اور پس منظر میں رکھ کر سمجھتے ہیں، جس سے نسخ جیسے مسائل میں بھی ان کا موقف روایتی موقف سے مختلف اور غور طلب بنتا ہے۔

چوتھی خصوصیت زبان و بلاغت کی غیر معمولی پختگی ہے؛ اردو تفسیر میں رہتے ہوئے انہوں نے عربی ادب کے جس سرمایے سے استفادہ کیا، اس کی مثال کم ملتی ہے۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس تفسیر میں جدید فکری اشکالات کا جواب بھی اسی قرآنی نظام سے دیا گیا ہے اور کسی خارجی فلسفے کو قرآن پر مسلط نہیں کیا گیا، جو اسے سر سید کی عقلی تفسیر سے ممتاز کرتا ہے۔ البتہ بعض اہل علم نے ان کے بعض اختلافی نتائج، مثلاً چند احکام و عقائد کے مباحث میں ان کی آراء، پر علمی تنقید بھی کی ہے، اور یہ تنقید تدبر قرآن کے علمی وقار میں کمی نہیں کرتی بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تفسیر علمی دنیا میں سنجیدگی سے پڑھی جاتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی بیسویں صدی کے ممتاز مفسر تھے جن کی نو جلدی تفسیر" تدبر قرآن "نظم قرآن کے نظریے کا سب سے بڑا عملی اطلاق ہے۔ ان کے منہج کی بنیاد قرآن کا داخلی نظم، لغت و ادب عرب کی مہارت، اسرائیلیات سے اجتناب اور خطاب کے مخاطب کی تعیین پر ہے اور ان کا اسلوب تحقیقی، منظم اور ادبی ہے۔ اس تفسیر نے برصغیر ہی میں نہیں، پوری دنیا کے قرآنی مطالعات میں ایک نئی جہت کا اضافہ کیا اور یہی مولانا اصلاحی کی دائمی علمی پہچان ہے۔